© rasailojaraid.com

''وحی'' کا مفہوم ومدلول اسلامی فکری روایت کے تناظر میں

پرویز اقبال آرائیں
ریسرچ اسکالر قرآن اینڈ سنہ ڈپارٹمنٹ

Abstract

Etymologically the word "Wahi" denotes hint, pointing, secret speech etc & also in use of literary Arabic texts so far. But as a singular term its understanding & significance had been confined by the Muslim scholars to the phenomena of Prophethood only with its immediate termination on the Holy Prophet (PBUH). Therefore it's a matter of linguistic repugnance to mix up the both meanings in the domain of religion specially. In the history of Islamic thought, most probably it's Ibn-e-Arabi (renowned as Sheikh-e-Akbar) who utilized this word's multilayered meanings on his hierarchy of beings with the singular reference. Hence its application upon the immediacy of personal intuition & for the jurisprudence related to the social affairs, which is continuing yet onwards.

The position of Imam Razi is the best representation of scholars in the context, as he explained away the previous intuitive theme with full rigor. The three miraculous phases of "Wahi" i.e. revelation, reception &deliverance collectively enclose the terminological use with no chance of

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

interference at all and the finalization of its linguistic significant forever. Interestingly another Man of intuition of sub continent i.e. Shah Wali Ullah iterated the position with a synthesis of word "Divine Education" and declared the intuitive intensities in its ordered forms & types. And categorically illustrated the distinct feature of its referent from all others to avoid the overlapping thereof.

So the sheer grace & the pure benevolent nature of "Wahi" is the pivotal reference to this term should be used & emphasized in all its religious aspect, along with the termination in the personality of Holy Prophet (peace be upon him) as well.

© rasailojaraid.com

مقدمہ

لغت میں استعمال ہونے والا ہر لفظ ایک ایسا رخ ہوتا ہے جو ایک جانب ذہن میں مقید معنی کی طرف دلالت کرتا ہے اور دوسری جانب خارج میں واقع اس معروض کی طرف دلالت کرتا ہے جو اس لفظ کا مسمیٰ کہلاتا ہے۔ لفظ کی مذکورہ حالت اس وقت باقی نہیں رہتی جب وہ کسی فن کی اصطلاح کے طور پر مستعمل ہونا شروع ہو جاتا ہے یا اسے کسی فن کی اصطلاح بنا دیا جائے۔ ہم اصطلاحی مراد کو روزمرہ کی محاورہ سے اخذ نہیں کر سکتے اور نہ لغوی استعمال کو اصطلاحی معنی کی تفہیم کا زینہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اصطلاحی مراد کو لغوی معنی سے اور لغوی معنی کو اصطلاحی مراد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک ہی لفظ کی اصطلاحی مراد ایک فن میں اور ہوتی ہے اور دوسرے فن میں بالکل مختلف ہو سکتی ہے۔ اصطلاحی مراد کا مرز بوم وہی فن ہوتا ہے جس میں وہ بطور اصطلاح مستعمل ہے۔

''مذہب'' فضیلت کی حیثیت سے انسان اور خدا تعالیٰ کے مابین ایک ربط و تعلق ہے، علمی اعتبار سے ایک مستقل موضوع ہے۔ مذہبی حقائق کی دلالت کے لیے جن الفاظ و کلمات کو بطور اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے ان کی معنوی صحت کا انحصار مذہبی مفہوم میں مضمر رہتا ہے۔ ان کا ایسا استعمال جس میں لفظ کی لغوی دلالت اصطلاحی مراد پر غالب آ جائے علمی اعتبار سے نہ صرف ناجائز ہے بلکہ فکری التباس کو فروغ دینے کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

''وحی'' ایک مذہبی اصطلاح ہے اور عربی لغت کا ایک لفظ بھی ہے۔ لغت کی رو سے لفظ وحی کی معنوی دلالت اس مراد کا احصا نہیں کرتی جو بطور مذہبی اصطلاح اسے حاصل ہے۔ مذہبی اصطلاح میں ''وحی'' خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بالواسطہ یا بلا واسطہ اپنے حکم سے آگاہ کرنا ہے۔ وحی مذہبی معنی میں بندے اور خدا تعالیٰ کے مابین مکالمہ نہیں ہے اور نہ ہی انسان کا انسان سے کلام و بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ بطور اصطلاح "وحی" کا لفظ جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس میں لغوی مراد کا قیام ممکن نہیں ہے۔

خطبات میں علامہؒ نے بعض مذہبی اصطلاحات سے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ ان کا لغوی مفہوم اصطلاحی مراد میں مدغم ہو گیا ہے۔ لغوی مفہوم اور اصطلاحی مراد کا ادغام جن علمی اور فکری مشکلات کا باعث بنتا ہے وہ خطبات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خطبات اقبالؒ کے انہی اشکالات کو حل کرنے کے لیے زیر نظر مضمون تیار کیا گیا ہے۔ اس میں ہم نے پہلے مرحلے میں وحی کے لفظ کی لغوی تفہیم کو موضوع بنایا ہے اور پھر اس لفظ کے ان استعمالات کی نشاندہی کی ہے جو مذہبی طبقے میں مستعمل رہی ہیں اور آخر میں خالص مذہبی معنی کی وضاحت کی گئی ہے۔

علامہؒ نے "علم بالوحی" کی ترکیب استعمال فرمائی ہے، لفظ "وحی" کو ایک مخصوص نوع کے علم کے ایک واسطے یا وسیلے کے طور پر لیا ہے۔ خطبات اصلاً انگریزی زبان میں دیے گئے تھے اس لیے لفظ "وحی" کو لفظاً نہیں بلکہ معناً استعمال کیا گیا ہے۔ ہم یہاں اقبالؒ کے بیان کے بجائے مراد بیان سے استفادہ کرتے ہوئے اس موضوع پر اپنی تحقیق پیش کر رہے ہیں۔

لفظ "وحی" کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق و تعیین

عربی زبان و ادب میں لفظ "وحی" اشارہ، ایماء، کتابت، پیغام، پوشیدہ کلام وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے۔ گویا عربی زبان میں کلام کی ایک نوع وہ ہے جسے جلی کلام کہا جائے گا اور دوسری کلام وہ ہے جو اس کے مقابل خفی کلام کہلاتی ہے۔ "وحی" لفظ کلام خفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معنی کا ابلاغ جن علامات کے ذریعے سے ایک انسان سے دوسرے انسان کے شعور کو منتقل ہوتا ہے، اگر وہ الفاظ بین اور واضح ہوں تو یہ کلام جلی ہوگا اور اگر معنی کے ابلاغ کے لیے اشارہ و کنایہ کو استعمال کیا گیا ہے تو یہ خفی کلام "وحی" ہے۔ ابن منظور نے لسان العرب میں اس لفظ کے تحت لکھا ہے:

> الوحی: الشارة و الكتابة و الرسالة و الالهام و الكلام الخفي و كل ما القيته الى غيرك. يقال: وحيت اليه الكلام و اوحيت. ووحى وحيا و اوحى ايضاً اى كتب. (۱)
>
> اشارہ، کتابت، پیغام، الہام، اور مخفی کلام کو کہا جاتا ہے۔ نیز ہر وہ بات جو تم دوسرے تک پہنچا دیتے ہو وحی کہلاتی ہے۔

عرب کہتے ہیں، وحيت اليه الكلام، یا پھر کہتے ہیں، اوحيت، ہمزہ کے ساتھ، یا بغیر ہمزہ کے جیسے، وحيت یعنی میں نے اسے بات پہنچا دی۔

اسی طرح وحی اور اوحی کے افعال کتب کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

وحی کا لفظ مذکورہ بالا تمام معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اپنے اسی لغوی عموم کے ساتھ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اس لفظ استعمال ہوا ہے اس سے لغوی معنی مراد لیے ممکن نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں "وحی" کا لفظ اپنے مادے کے ساتھ بہت استعمال ہوا ہے، مگر اصطلاحی معنی میں "وحی" کے وسیلے سے وجود میں آنے والی کلام کا متکلم انسان نہیں بلکہ اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن مجید میں غیر اللہ کے کلام کو بھی ''وحی'' سے تعبیر کیا گیا۔ اصطلاح میں جس کلام کا متکلم اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور مخاطب چاہے انسان ہو یا غیر انسان وہ ''وحی'' کہلاتی ہے۔ عربی لغت میں ''وحی'' کے لغوی مفہوم میں یہ تخصیص نہیں پائی جاتی، ''وحی'' کا لغوی مفہوم انسان اور خدا تعالیٰ دونوں کے کلام کو شامل ہے۔ قرآن مجید میں بھی تخصیص نہیں پائی جاتی تاہم ''اسلام'' میں اس لفظ کو لغوی معنی میں استعمال کرنے کی گنجائش تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔ مسلم معاشرے عرب ہوں غیر عرب ہر جگہ ''وحی'' کے لفظ کا مدلول فقط ایک ہے یعنی جس کلام کا متکلم اللہ تعالیٰ ہے وہ ''وحی'' ہے اور جس کلام کا متکلم اللہ تعالیٰ نہیں ہے وہ ''وحی'' نہیں ہے۔

مسلم معاشروں میں مذہبی اور سماجی وجوہات کی بنا پر یہ لفظ اپنی اصطلاحی مراد میں اور زیادہ مستحکم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وحی کا لفظ نہ فقط اصطلاحی مدلول میں مقید ہو گیا بلکہ اس لفظ کا لغوی مفہوم تقریباً معدوم ہو گیا ہے اور یوں یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم سے نکل اصطلاحی مراد میں محدود ہو گیا۔ یہ لفظ اپنے نئے مفہوم میں مذہبی تقدس رکھنے کی وجہ سے فقط الوہی رسالت و نبوت کے لیے خاص ہو گیا۔ ''وحی'' کے اس خاص مدلول میں زیادہ شدت کے ساتھ منحصر ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ پیغمبر علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اور آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد نبوت کے جھوٹے مدعیان نے اپنی طرف نزول وحی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ''وحی'' کے اس غلط اور ناروا استعمال نے مسلم علما کو اس لفظ کے استعمال کی نسبت بہت زیادہ محتاط کر دیا ہے۔ انسان کے ساتھ حق تعالیٰ کے تعلق و رابطے کی نفی اگرچہ مسلم معاشروں میں کبھی نہیں کی گئی مگر اس تعلق کو ''وحی'' کے بجائے الہام، القا وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے اور ''وحی'' کا لفظ Singulatery Term کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں بھی کچھ آیات ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس لفظ کا عمومی استعمال ترک کرنا ضروری ہو گیا تھا:

> وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۶/ ۹۳)
>
> اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹی تہمت باندھے یا دعویٰ کرے کہ مجھ پر وحی آئی ہے در اس حالیکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو، یا جو کہے مجھ پر عن قریب اتارا جائے گا اسی کی مثل جیسا کہ اللہ نے اتارا ہے۔ (۲)

ابن منظور نے لسان العرب میں قرآن مجید میں غیر نبی کے کلام کو وحی کے لفظ سے تعبیر کرنے کی مختلف مثالیں بیان کی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آیا ہے:

یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا. (۶/ ۱۱۲) اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

معناه يسر بعضهم الى بعض فهذا اصل الحرف ثم قصر الوحی للالهام. (۳)

> مطلب یہ ہے وہ ایک دوسرے سے خفیہ پیغام رسانی کرتے ہیں، اس لفظ کا یہی اصل مفہوم ہے، بعد کو وحی کو الہام کے معنی میں مقصور کر دیا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ''الہام'' یا ''القاء'' کے معنی میں منتقل ہونے کی وجہ محض قرینہ ہے ورنہ اصلاً وحی کا لفظ ''الہام و القاء''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیلئے وضع نہیں کیا گیا ہے۔''الہام والقاء'' میں عملی قرینہ یہ ہے کہ ملہم یا ملقیٰ یعنی جس کی طرف الہام یا القاء کیا گیا ہے، اس تک اطلاع بغیر کسی ظاہری واسطے کے پہنچ جاتی ہے۔ خفیہ طریقے سے پیغام رسانی کا عمل ہی ''وحی'' کہلاتا ہے۔ قران مجید کی ایسی آیات جن میں ''وحی'' کا لفظ غیر نبی کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا ام موسیٰ علیہ السلام کو وحی کیے جانے کا ذکر ہے ان کی تفسیر کے ضمن میں ابن منظور نے لکھا:

''الزجاج کا قول ہے کہ ''واذا وحیت الی الحواریین ان امنوا بی و برسولی(۵/۱۱۱)'' کچھ علما کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہے 'الھمت ھم' اسی طرح کچھ دیگر علما نے کہا کہ اس کا مطلب ہے 'امرت ھم' اس کی ایک اور مثال یہ مصرع ''وحی لھا القرار فاستقرت'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم کیا کہ تو قرار پکڑ تو وہ سکون میں آ گئی۔ امام زہری کا قول ہے کہ ''و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ(۷/۲۸)'' میں الوحی ھھنا القاء اللہ فی قلبھا یعنی اس ایت میں وحی کا مطلب ہے کہ ان کے قلب میں القا کر دیا تھا۔ ابو اسحاق نے کہا کہ '' اصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء و لذلک صار الالھام یسمیٰ وحیاً'' یعنی لغت میں وحی کی اصل ہر طرح کی پوشیدہ بتانا ہی ہے یہی وجہ ہے کہ الہام کو وحی کا نام دے دیا گیا۔ اسی امام زہری کا قول ہے کہ ''الاشارۃ و الایماء یسمیٰ وحیاً و لکتابۃ تسمیٰ وحیاً'' یعنی اشارہ ہو یا ایما، اور کتابت کو وحی کہا جاتا ہے(۴)''

کتب احادیث میں 'فترت وحی' کی ترکیب اس دور کے لیے استعمال ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی موقوف ہوتا ہے۔ اگر وحی سے مطلقاً ''الہام والقائے ربانی'' مراد ہو تو وہ کسی دور میں مکمل طور پر ختم نہیں ہوا(۵)۔ اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ لفظ ''وحی'' کا اصطلاحی مدلول نہ تو مطلق ہے اور نہ ہی عام ہے۔ بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے القاء والہام کو ''وحی'' کے لغوی معنی کی رعایت کے پیش نظر ''وحی'' سے ہی تعبیر کیا جائے تب بھی اس لفظ کے اصطلاحی وضع کو نظر انداز کرنا خاصا مشکل افزا اور الجھا دینے والا کام ہوگا۔

احادیث کی کتب میں نزول وحی کی کیفیت کا ذکر آیا ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب پیغمبر ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو دوران نزول آپ ﷺ کی جسمانی حالت سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ آپ ﷺ پر معمول کی حالت نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: فاذا ھو محمر الوجہ، یغط. (۶) یعنی آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا اور پسینے سے شرابور ہوتا۔ وحی کا لفظ بطور اصطلاح جس مدلول کی نشاندہی کرتی ہے وہ ''پیغمبرانہ وحی'' ہے، جس کے نزول کی یہ کیفیت بیان ہوئی ہے۔(۷) اگرچہ اس کا امکان موجود ہے کہ لفظ کے لغوی معنی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اصطلاح کے ماحول سے آزاد کر لیا جائے، تاہم یہ مشکل بہر حال برقرار رہتی ہے کہ اگر ایک لفظ اپنے وضعی معنی کے بجائے اصطلاحی مفہوم میں زیادہ مقبول ہو چکا ہو تو معنی موضوع لہ میں اس کا استعمال ''تنافر'' کا باعث ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ''وحی'' کا لفظ لغوی اعتبار سے جس عموم کا حامل ہے نزول قران کے بعد وہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے پہلی صدی ہجری سے لیکر چھٹی صدی ہجری تک عربی زبان و ادب میں الوہی خطاب میں یہ ایک اصطلاح کے طور پر ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال ہوا ہے۔ اسلامی فکر کی تاریخ میں غالباً یہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (متوفی ۶۳۸ھ) اور پہلے صوفی ہیں جنھوں نے وحی کے لفظ کو اصطلاحی معنوں کے بجائے اسی عموم میں دوبارہ استعمال کیا جس میں یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان سے قبل اس لفظ کو صوفیا، حکما اور علما میں سے کسی نے لغوی معنی کے عموم میں استعمال نہیں کیا۔ ذات حق کے ربط و تعلق کا دعویٰ صوفیاء میں موجود رہا ہے مگر کسی نے اس ربط و تعلق کو یا اس کے حاصلات کو وحی سے تعبیر نہیں کیا۔ الہام، القا، وصل، وصول اور سیر وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ذریعے تعلق مع اللہ کو ظاہر کیا جاتا رہا ہے۔ شیخ اکبرؒ نے اپنے عرفانی ادب میں وحی لفظ کو خوب استعمال کیا اور اپنے مخصوص انداز میں اس لفظ کے مدلول کی خوب صراحت کی ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے قرآن مجید کی ایک آیت وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (۱۷/۴۴) سے یہ استدلال کیا ہے کہ کائنات کی ہر شے حیوان ناطق ہے، بلکہ شیخ نے اس قول عرفا کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی بیان میں وہ فرماتے ہیں:..... لما كان الامر هكذا جاز بل وقع وصح ان يخاطب الحق جميع الموجودات ويوحى اليها من سماء و ارض وجبال وشجر وغير ذالك من الموجودات. (۸) ترجمہ: ..... جب حقیقت یہ ہے تو یہ جائز بلکہ واقعہ ہے اور درست ہے کہ حق تعالیٰ تمام مخلوقات سے مخاطب ہوتا ہے، اور ان کی طرف وحی فرماتا ہے، جس میں آسمان، زمین، پہاڑ اور درخت وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا حوالے سے یہ بالکل عیاں ہے کہ شیخ اکبرؒ نے وحی کے لفظ کو اسی عمومی مفہوم میں لیا ہے، جس میں یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہوا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ شیخ نے وحی کے لفظ بالکل اسی معنی و مفہوم میں لیا ہے جس میں یہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ انہوں نے وحی کے لفظ کو لغوی عموم پر رکھتے ہوئے اصطلاحی مفہوم کو قائم کرنے کی سعی کی ہے۔ اس لیے کہ لغوی عموم کا تقاضا ہے کہ ہر اس علم و ادراک اور فطری تقاضے کو وحی کہا جائے جس کے ابلاغ میں رمزیت غالب ہو، رمز اور اشارہ مرکزی حیثیت رکھتا ہو(۹)۔ جبکہ اصطلاحی مفہوم کا تقاضا ہے کہ اس کا مبداء ماورائی ہو، مابعد الطبیعیاتی ہو۔ اس لیے شیخ نے وحی کے لیے دو باتوں کی خاص طور پر نشاندہی کی ہے۔ ایک یہ کہ وحی جب بھی کسی پر ہوگی تو بس عین فہم کی صورت میں ظاہر ہوگی اور تعقل و تدبر کا نتیجہ نہیں ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ فہم کے متحقق ہونے میں جو سرعت وحی کو حاصل ہے کائنات میں کوئی شے اس کے مساوی نہیں ہے۔ وحی جب بھی ہوگی تو انسان کے قویٰ ادراکیہ کے تحرک یا کسب کا نتیجہ نہیں ہوگی اس کے بجائے وہ فی نفسہٖ ادراک بن کر رونما ہوتی ہے(۱۰)۔ چنانچہ شیخ نے بچے کا ماں کے پیٹ کی طرف راغب ہونا، شہد کی مکھی کا شہد تیار کرنا، وحی الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں، ان تمام صورتوں کو وہ 'المفطور' کہتے ہیں یعنی فطری ہیں اور غیر مکتسب ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ وحی کا غلبہ شدید ترین ہوتا ہے اور انسان کا کوئی فطری داعیہ اس کے سامنے نہیں رک سکتا(۱۱)۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی گئی کہ تم جب خوف محسوس کرو تو بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا "وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ" (۲۸/۷) تو وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی، اگرچہ بچے کو دریا میں ڈال دینا بھی موت کے منہ میں دھکیلنا ہی تھا مگر وحی کا غلبہ اور تسلط انسان کی ذات یا ہر وہ شے جس کی طرف وحی کی جائے پر اس قدر شدید ہوتا ہے کہ اس کے طبعی داعیات بھی موقوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتے ہیں (۱۲)

شیخ اکبر ابن العربی نے وحی کی انواع واقسام کو مخلوقات یا موجودات کی انواع اقسام کے مساوی بتایا ہے۔ گویا وحی کی فقط وہی ایک صورت نہیں ہے جسے بالعموم مذہبی طبقہ فرض کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر نوع کے لیے الگ الگ وحی کی نوع ہے۔

"......الوحی فی کل صنف صنف وتخص بشخص لھو الالہام، فانہ لا تخلو عنہ موجود" (۱۳)

موجودات کی ہر صنف میں وحی کی ایک صنف ہے اور ہر فرد میں وحی بھی فرد یا مخصص ہوتی ہے، یہ الہام کہلاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وحی سے کوئی موجود خالی نہیں ہے۔

شیخ کے بیان میں اس وقت وحی کا تصور اور زیادہ کھل جاتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان کے جسمانی اعضاء میں سے ایک عضو بھی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ کی طرف وحی نہ ہوتی ہو۔ انسان کے جسم جو جو اعضاء جو جو وظیفہ انجام دے رہے ہیں وہ سب وحی الٰہی ہی ممکن ہو رہا ہے۔ انسان کے بال، کھال، گوشت، اعصاب، خون، روح، نفس، ناخن، اور سانس کی نالی وغیرہ سب اللہ کی ذات کا عرفان رکھتے ہیں اور ان سب کی طرف وحی اس تجلی میں ہوتی ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

فالانسان من حیث تفصیلہ صاحب الوحی و من حیث جملتہ لایکون فی کل وقت صاحب الوحی(۱۴)

پس انسان اپنی تفصیلی حیثیت سے صاحب وحی ہے اور اپنی مجموعی حیثیت سے ہمہ وقت صاحب وحی نہیں ہے۔

وحی کے اس حقیقی اور عمومی مفہوم کو طے کر لینے کے بعد اس لفظ کے اس معنی کی طرف آنا قدرے آسان ہو جاتا ہے جسے مذہبی علما محفوظ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ اکبرؒ جس وحی کو مظاہر وحی سے ممتاز رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفس وحی علی اطلاقہٖ تمام موجودات کی خاصیت ہے۔ موجودات کا فرق و امتیاز اس کے مظاہر میں فرق کا سبب بنتا ہے۔ موجودات میں انسان کی ہستی کو جو امتیاز حاصل ہے وہی امتیاز اس کی طرف کی جانے والی وحی کو بھی حاصل ہے۔ شیخ کے نزدیک انسان جن اجزا کا مجموعہ ہے وہ تمام اجزا فرداً فرداً وحی الٰہی سے ہمہ وقت فیض یاب ہوتے ہیں جب کہ انسان اپنی مجموعی حیثیت میں وحی الٰہی سے وقتاً فوقتاً فیض یاب ہوتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں وحی کی مذکورہ اقسام میں موخر الذکر نوع موضوع بحث ہے جسے علامہ اقبالؒ Religious Experience سے تعبیر کر رہے ہیں۔

شیخ اکبرؒ نے انسان کی طرف کی جانے والی وحی خداوندی کے متعلق فتوحات کے ایک اور مقام پر لکھا:

کل من علم مالم یعلم فھو ملھم، فالوحی شامل، ینزل علیٰ کل الناقص والکامل(۱۵)

ہر وہ شخص جو ایسا کچھ جان لیتا ہے، جس کا اسے پہلے علم نہیں تھا وہ ملہم ہے، پس وحی ہر ایک کو شامل ہے، ہر ناقص اور کامل پر نازل ہوتی ہے۔

وحی ایک ایسا مظہر ہے جو ہر انسان پر نازل ہوتی ہے نزول وحی میں روحانی نقص وکمال حائل نہیں ہوتا۔ البتہ روحانی اعتبار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ناقص انسان اس طرح کی وحی سے فیض یاب نہیں ہو سکتا جس طرح کی وحی سے روحانی اعتبار سے کامل انسان مستفید ہوتا ہے۔ روحانی اعتبار سے جو انسان جس درجے کا ہے اسے وحی بھی اسی درجے یا مقام کی آتی ہے۔ روحانی اعتبار سے کامل انسان کے لیے شیخ نے اہل اختصاص کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ولاهل الاختصاص الوحي الالهي من الوجه الخاص و هو في العموم لكن لا تبلغه المفهوم ،فما من شخص الا و الحق يخاطبه به منه (١٦)

اہل اختصاص کو وحی الٰہی بھی خاص نوعیت کی ہوتی ہے، یوں تو وحی عام ہے لیکن عقل کی یہاں رسائی نہیں ہے کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس حق تعالیٰ اس طرح کی وحی سے مخاطب نہ ہوتا ہو۔

حصول وحی کے متعلق شیخ نے کوئی شرط بیان نہیں کی ،ان کے نزدیک وحی الٰہی تو ہوتی رہتی ہے۔ انسان اس امر سے باخبر ہو یا نہ ہو، وحی الٰہی کا وہ بہر حال مخاطب ہے اور رہتا ہے۔ ایک فتوحات کے ایک مقام پر وہ "مقام وحی" کے متعلق بیان میں فرماتے ہیں:

فاذا عمد الانسان الىٰ مرآة قلبه وجلاها بالذكر وتلاوة القران، فحصل له من ذلك نور. ولله نور منبسط على جميع الموجودات، يسمى نور الوجود، فاذا اجتمع النوران فكشف المغيبات على ما هي عليه........ذلك مقام الوحي.(١٧)

پس انسان اپنے قلب کے آئینے کی جانب متوجہ ہوتا ہے ،اور اسے ذکر اور تلاوت قران سے اجلا کر لیتا ہے تو اس کے ذریعے سے اسے ایک نور حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جو تمام موجودات پر پھیلا ہوا ہے، جسے نور الوجود کہا جاتا ہے، تو جب دونوں نور جمع ہو جاتے ہیں تو مغیبات سے پردے اٹھا لیے جاتے ہیں ...... یہ مقام وحی ہے۔

مقام وحی پر فائز ہونے کے لیے ذکر اور تلاوت کلام مجید سے انسان اپنے آئینۂ دل کو روشن کرتا ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے مغیبات سے پردے اٹھا لیے جاتے ہیں، یہ حصول وحی کی شرط نہیں ہے۔ وحی انسان کا حق نہیں ہے، اور نہ یہ کوئی کسبی شے ہے۔ وحی عام ہو یا خاص ہو بہر دو حق تعالیٰ کی طرف سے وہب محض ہے۔ حصول وحی کی اہلیت کے لیے انسان کی حد تک ذکر اور تلاوت قران مجید سے قلب کے آئینے کو اجلا کرتا ہے۔ مگر جب شیخ اکبرؒ وحی کے نزول کی الوہی توجیہ بیان کرتے ہیں تو فرماتے ہیں:

فاذا اراد الحق ان يوحي الى ولي من اوليائه بامر ما، تجلى الحق في صورة ذلك الامر، لهذا العين، التي هي حقيقة ذلك الولي الخاص ،فيفهم من ذلك التجلي، مجرد المشاهدة، ما يريد الحق ان يعلمه به ،فيجد الولي في نفسه علم مالم يكن يعلم.(١٨)

پس جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کی جانب کسی معاملے میں وحی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاملے کی صورت میں تجلی فرماتا ہے، جو اس الحین کیلئے ہوتی ہے جو اس خاص ولی کی حقیقت ہے تو اس تجلی کے ذریعے سے محض مشاہدے سے وہ کچھ سمجھا جاتا ہے، جو حق تعالیٰ اس کے ذریعے سے اس ولی کو سکھانا چاہتا ہے، چنانچہ وہ ولی اپنے نفس میں ایک ایسے علم کو موجود پاتا ہے، جس سے وہ آگاہ نہیں تھا۔

مذکورہ بالا صورت میں وحی انسان کے کسی ارادی فعل کا نتیجہ نہیں ہے، اور نہ ہی انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی طرف وحی ہوئی ہے۔ اگر انسان اپنے اندر کسی معاملے میں ایسا کچھ سمجھ لیتا ہے جو اس کے علم میں پہلے سے نہیں تھا تو شیخ اکبرؒ کے مطابق یہ وحی ہوگا۔ اب تک ہم نے شیخ کے موقف کو پیش کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبعی خواہشات ہوں یا جبلی داعیات، نفسانی تقاضے ہوں یا نفسی کیفیات ان کے نزدیک یہ تمام وحی کی مختلف صورتیں ہیں۔ البتہ انسان کی سطح پر وحی کے بعض مظاہر میں غیر معمولی قوت اور شدت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات تو جس کی طرف وحی کی جاتی ہے، اس کی شخصیت پر وحی کا مکمل قبضہ اور تسلط قائم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے (۱۹)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شیخ جبلی داعیے کی شدید اور قوی صورت کو وحی خیال کرتے ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں:

> فدل على ان الوحي اقوى سلطاناً في نفس الموحى اليه من طبعه الذي هو عين نفسه. (۲۰)

> پس ثابت ہوا کہ وحی کا قبضہ اس شخص پر بہت قوی ہوتا جس کی طرف کی جاری ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی طبیعت، جو اس کا اپنا نفس ہے، سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

وحی کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ شیخ نے دو اور صورتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ ان دو صورتوں کا تعلق انسان اجتماعی حیات سے ہے۔ یعنی ان صورتوں میں انسان کی اجتماعی فلاح کا عنصر غالب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مابہ الامتیاز وصف وحی کے واجب التعمیل ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ یعنی ایک قسم وہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اور دوسری وہ کہ اس پر عمل واجب نہیں ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

> ان اللّٰه في وحيه الى قلوب عباده بما يشرع في كل امة ، طريقين ، طريقاً بارسال الروح الامين ، المسمى جبريل ، او من كان من الملائكة ، الى عبد من عباد الله ، فيسمى ذلك العبد ، لهذا النزول عليه رسولاً و نبياً ، يجب على من بعث اليهم الايمان به و بما جاء من عند ربه و طريقاً آخر على يدي عاقل زمانه يلهمه الله في نفسه و ينفث الروح الالهي القدسي في روعه (۲۱)

> اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعے سے اپنے بندوں کے قلوب میں وہ کچھ ڈالتا ہے جس سے ہر امت میں شریعت وضع کی جاتی ہے، اس کے دو طریقے ہیں، ایک روح الامین کو بھیجتا ہے جسے جبریل کہا جاتا ہے یا فرشتوں میں سے کسی کو، اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی طرف ارسال فرماتا ہے، اس نزول وحی کی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> سے وہ بندہ رسول یا نبی کہلاتا ہے، جن کی طرف ان کو مبعوث کیا گیا ہے، اس نبی پر اور جو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے جو لے کر آیا ہے ایمان لانا واجب ہے۔ دوسرا طریقہ اپنے وقت کے صاحب عقل انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ الہام فرماتا ہے اور اس کے دل میں روح الٰہی قدسی پھونک دیتا ہے۔

شیخ نے وحی کی موخر الذکر صورت کے متعلق خاص طور پر لکھا کہ یہ اس وقت رونما ہوتی ہے، جب رسولوں کی آمد موقوف ہوتی ہے جسے "فترت وحی" کا دور کہا جاتا ہے. فتوحات کے مطالعہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کی دوسری قسم سے ان کی مراد "فقہی اجتہاد" ہے۔ کیونکہ آگے چل کر انہوں نے مصالح شریعہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ دوسری قسم کی وحی سے انسانوں کی جان، مال، آبرو، عقل و نسل کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پہلی صورت میں ایمان لانا واجب ہے جب کہ دوسری صورت میں عمل کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اس سے عملی مصالح متحقق ہوتے ہیں۔ وحی کی پہلی صورت کو شیخ نے کچھ اور خصوصیات کے ساتھ بھی متمیز کیا ہے۔ اگر شیخ کی بیان کردہ خصوصیات کو پیش نظر رکھا جائے تو عام اذہان میں اس بارے میں پیدا ہونے والا التباس رفع ہو سکتا ہے۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وحی کی اصطلاح کا شیخ نے غلط استعمال کیا ہے۔ مگر شیخ جب بھی انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جانے والی وحی کے متعلق بیان کرتے ہیں تو اس کے لیے "وحی خاص" کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ وہ انبیاء کے مراتب کو ائمہ مجتہدین مقام و مراتب سے متمیز ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> ...مع علمنا ان مرتبتهم دون مرتبة الرسل الموحي اليهم من عندالله ،فالنبوة والرسالة من حيث عينها و حكمها ما نسخت وانما انقطع الوحي الخاص بالرسول. (۲۲)
>
> ہم جانتے ہیں ان (مجتہدین) کا مرتبہ ان رسولوں کا سا نہیں ہے جن کی طرف اللہ کی طرف وحی کی جاتی ہے، چنانچہ نبوت اور رسالت اپنے عین اور اپنے حکم کے مطابق منسوخ نہیں ہوئی بس فقط رسول ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص وحی منقطع ہوئی ہے۔

شیخؒ کا یہ کہنا کہ نبوت اور رسالت اپنے عین اور اپنے حکم کے اعتبار سے منسوخ نہیں ہوئی تو اس سے ان کی واضح مراد "اجتہاد" کا جاری و ساری ہونا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف جو وحی خاص ہوئی تھی اس کا منقطع ہونا شیخ کے بیان سے بالکل عیاں ہے۔ افراد امت میں صاحب عقل کی طرف کی جانے والی وحی امت کے عملی مشکلات کو رفع کرنے والی قانونی تجاویز ہیں۔ دینی شعور رکھنے والا انسان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس ذہن میں کسی اجتماعی یا انفرادی مسئلے کا حل من جانب اللہ نہیں ہے۔ بس اسی احساس کو شیخ وحی الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ شیخ نے انبیاء و رسل کی طرف کی جانے والی وحی کے لیے "وحی تشریع" اور "رسالت بشری" کی ترکیب بھی استعمال کی ہے. فتوحات کے مذکورہ بالا ابواب میں رسالت کے مفہوم کی مزید وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں رسالت ایک ایسی شے ہے جسے رسول کی ذات "روح قدسی امین" کے واسطے کے بغیر قبول نہیں کر سکتا ہے۔ یہ "روح قدسی امین" رسول کے قلب پر اس پیغام کو نازل کرتا ہے اور بعض اوقات وہ "روح قدسی امین" مرد جوان کی صورت میں ان کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آجاتا ہے۔ پھر شیخ کہتے ہیں ہر وہ وحی جو اس صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو اسے ''رسالت بشریہ'' نہیں کہا جا سکتا، اسے وحی، الہام، کشف، القا، یا وجود کہا جائیگا۔(۴۲)

الفتوحات المکیہ کے تین سو پچاسویں (۳۵۰) باب میں شیخ اکبرؒ نے پیغمبر ﷺ کے مقام کی معرفت میں بعض اسرار سے پردہ کشائی کی ہے۔ اس میں شیخ نے بلا ابہام یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی کی کوئی شکل باقی نہیں رہی۔ اب کوئی رہ باقی ہے تو وہ فقط الہام کی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان لنا من الله الالهام لا الوحي، فان سبيل الوحي قد انقطع بموت رسول الله ﷺ. (۴۳)

وجان لو ہمارے لیے اللہ کی طرف سے ''الہام'' ہے اور وحی نہیں ہے۔ یقیناً وحی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی منقطع ہو چکی۔

بایں ہمہ اس سے انکار ممکن نہیں کہ شیخ اکبرؒ نے ''وحی'' کے لفظ کو اس کے لغوی عموم میں استعمال کرتے ہوئے اس احتیاط کی پروا نہیں کی جس کو علمانے روا رکھا ہے۔ ان کے نزدیک وحی کے محقق ہونے کی شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق انسان کے اندرونی ادراک سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے دوست اگر تو اپنے اندر کے القا کے بارے میں یہ محسوس کرے کہ اس میں تیرے تفکر و تدبر اور تفصیل کا دخل نہیں تو یہ وحی ہے لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر وہ وحی نہیں ہے:

ايها الولي اذا زعمت ان الله اوحى اليك فانظر في نفسك في التردد او المخالفة، فان وجدت لذلك اثرا بتدبير او تفصيل او تفكر فلست صاحب الوحي، فان حكم عليك واعماك واصماك حال بين فكرك و تدبيرك وامضى حكمه فيك فذلك هو الوحي و انت عند ذلك صاحب الوحي. (۴۴)

یعنی: اے دوست جب تمہیں یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف وحی کی ہے، تو اپنے من میں جھانک کہ اس کے بارے میں کوئی تردد یا مخالفت تو نہیں، پس اگر تو اس میں اپنی تدبیر یا تفصیل یا تفکیر کا اثر موجود پائے تو صاحب وحی نہیں ہے، لیکن اگر وہ تجھ پر حاوی ہو، تجھے اندھا اور گونگا کر دے، تیرے فکر اور تدبیر میں حائل ہو جائے اور تجھ پر مسلط ہو جائے تب وہ وحی ہے اور اس صورت میں تم صاحب وحی ہو۔

وحی کے بارے میں ہم نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے موقف کو اپنی حد تک بالاستعاب پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ شیخ نے وحی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اگر ہماری یہ تحریر اس مکمل احصاء نہ بھی کرتی ہو تب بھی شیخ کا مجموعی موقف اس سے ہٹ نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ماورائی ربط و تعلق کے مکمل طور پر منقطع ہونے کے موقف کی صوفیاء نے کبھی تائید نہیں کی، البتہ اسے الہام، القا، وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا، اور اس ربط و تعلق کو ''وحی'' کے لفظ سے تعبیر کرنے سے اعراض کیا گیا۔ صوفیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرام میں شیخ اکبر پہلے صوفی ہیں، جنہوں نے اپنے عرفانی کشف وفتوح پر مبنی معارف میں "وحی" کے لفظ کے لغوی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر نبی کے لیے اس کے استعمال کو روا رکھا ہے۔ صوفیا کے برعکس علما کا موقف بالکل دوٹوک ہے کہ اللہ کی طرف سے "وحی" مکمل طور پر منقطع ہو گئی ہے۔ اب ایسی کوئی سبیل نہیں کہ کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اللہ کی طرف اس پر ایسا کچھ نازل ہوا ہے جو انسانیت کے لیے ہدایت ہے یا واجب التعمیل ہے(۲۵)۔ شیخ اکبر کو اس سے تو کوئی انکار نہیں کہ انسانیت کی ہدایت کے لیے واجب التعمیل "وحی" کا سلسلہ باقی نہیں رہا، مگر علما کے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انہیں انکار ہے کہ "وحی" کا حصول ابد الآباد تک موقوف ہو چکا ہے۔ علماء امت کے موقف کو بالصراحت امام فخر الدین الرازیؒ (۵۴۴ھ تا ۶۰۶ھ) سے زیادہ بہتر شاید ہی کسی نے بیان کیا ہو۔ امام رازیؒ نے اپنی التفسیر الکبیر میں قرآن مجید کی سورہ الشوریٰ کی آیات نمبر ۵۱ تا ۵۳ (وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝) کے تحت "وحی" کے امکان وقوع، کیفیت نزول اور دیگر کلامی مسائل پر خوب بحث کی ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

> المسئلة الاولى: "وما كان لبشر" وماصح لاحد من البشر "ان يكلمه الله" الا على احد ثلاثة اوجه، اما على الوحي وهو الالهام و القذف في القلب او المنام.....و اما على ان يسمعه كلامه من غير واسطة مبلغ..... و اما على ان يرسل اليه رسولاً من الملائكة فيبلغ ذلك الملك ذلك الوحي الى رسول البشرى..... (۲۶)

مسئلہ اولیٰ: وما كان لبشر یعنی کسی انسان بشر کے لیے یہ درست نہیں کہ ان یکلمه الله یعنی اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے سوائے تین صورتوں کے۔ یا وہ وحی ہوگی، جو دل میں وہ بات ڈال دیتا ہے یا خواب کی حالت میں وہ بتا دیا جاتا ہے یا الہام کر دیا جاتا ہے، یا پھر کسی ظاہری واسطے کے بغیر اس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا کلام سنا دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ ملائکہ میں سے کسی کو بھیج دیتا ہے تو فرشتہ اس وحی کو اس رسول بشری یا انسانی رسول کو پہنچا دیتا ہے۔

امام صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

> اما الاول وهو انه وصل اليه الوحي لا بواسطة شخص آخر وما سمع عين كلام الله فهو المراد من بقوله "الا وحياً" و ام ثالي وهو انه وصل اليه الوحي لا بواسطة شخص اخر و لكنه سمع عين كلام الله فهو المراد من قوله "او من وراء حجاب" و اما ثالث وهو انه وصل اليه الوحي بواسطة شخص آخر فهو المراد بقوله "اويرسل رسولاً فيوحي باذنه مايشاء" (۲۷)

پہلی صورت یہ ہے کہ کسی انسان کے اللہ کی وحی بغیر کسی دوسرے کے واسطے پہنچے اور وہ عین کلام الٰہی کو نہ سنے تو "الا وحیاً" سے یہی مراد ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی وحی اس طرح سے پہنچے کہ عین کلام الٰہی کو سنے تو "او من وراء حجاب" سے یہی مراد ہے جب کہ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وحی کسی دوسرے شخص کے واسطے سے پہنچے تو "اویرسل رسولاً فیوحی باذنہ" سے یہی مراد ہے۔

امام صاحبؒ نے "وحی" کی ان تینوں صورتوں کو انبیاء تک محدود رکھا ہے، اور غیر نبی کے لیے اس کے امکان وقوع کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔ وہ ایک سوال سے اس نئی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ!

ان الرسول اذا سمعه من الملک کیف یعرف ان ذلک المبلغ ملک معصوم لاشیطان مضل؟(۲۸)

یعنی جب رسول ﷺ اس وحی کو فرشتے سے سنتا ہے تو یہ کیسے جان لیتا ہے کہ وہ پیغام رساں معصوم فرشتہ ہے اور گمراہ کن شیطان نہیں ہے؟

امامؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ وحی الٰہی کا ابلاغ اللہ کی طرف سے معجزے کا ظہور ہوتا ہے، جس کی بنا پر وحی خداوندی شیطان خبیث کی مداخلت سے پاک رہتی ہے۔ وحی کا ابلاغ تین مراتب کے معجزات پر مشتمل ہوتا ہے۔

المرتبة الاولىٰ: ان الملک اذا سمع ذلک الکلام من اللّٰہ تعالیٰ فلا بد له من معجزة تدل ان ذلک الکلام کلام اللّٰہ.

المرتبة الثانية: ان ذلک الملک اذا وصل الی الرسول، لا بد له ایضاً من معجزة.

المرتبة الثالثة: ان ذلک الرسول اذا اوصله الی الامة، فلا بد له ایضاً من معجزة فثبت ان التکلیف لا یتوجه علی الخلق الا بعد وقوع ثلاث مراتب فی المعجزات(۲۹)

ترجمہ: پہلا مرتبہ: جب فرشتہ وہ کلام سنتا ہے تو اس پر ایک معجزہ ہوتا ہے کہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کلام واقعتاً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

دوسرا مرتبہ: جب فرشتہ رسول کی ذات پہنچتا ہے تو یہ بھی لازماً ایک معجزہ ہے۔

تیسرا مرتبہ: جب وہ رسول اس وحی الٰہی کو امت تک پہنچاتا ہے تو یہ بھی لازماً معجزہ ہے۔ چنانچہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مخلوق یعنی انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مکلف بنانے کا عمل تین مراتب کے معجزات کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔

یہ بات ایک طے شدہ امر ہے کہ غیر نبی کے الہام و القاء میں شیطانی مداخلت سے بری ہونے کی ضمانت نہیں ہوتی۔ جب کہ وہ وحی جو اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجی جاتی ہے، اس کے پیغام کو شیطانی القاء سے محفوظ رکھنے کے لیے جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا، تین مدارج کے معجزات سے گزارا جاتا ہے۔ بالفرض امام رازیؒ کی بات نہ بھی مانا جائے تب بھی یہ شک و شبہ سے بہت بالا ہے کہ وحی الٰہی میں شیطان کوئی مداخلت کر سکے۔ قرآن مجید اس کی نفی کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کو ختم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم فرما دیتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o(الحج: ۵۲)

اور تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی ہم نے نہیں بھیجا مگر جب اس نے تلاوت کی شیطان نے ان کے پڑھنے میں کچھ ڈال دیا تو اللہ شیطان کے کیے ہوئے القا کو منسوخ کر دیا پھر اپنی آیات کو اللہ محکم فرما دیتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔

امام رازیؒ نے اس آیت کے تحت لکھا کہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ شیطان وحی الٰہی میں کسی طرح دست درازی کر سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بصورتی۔

جس خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان میری میں ظاہر ہونے پر قادر نہیں ہے۔

امام صاحبؒ لکھتے ہیں جب شیطان آپ ﷺ کی صورت میں متمثل ہونے پر قادر نہیں ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی کی تبلیغ میں جبریل بن کر آپ ﷺ کے سامنے آ جائے۔ ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ!

ماسلک عمرؓ فجاً الا و سلک الشیطان فجاً آخر۔

یعنی عمرؓ جس سمت کو جاتے ہیں شیطان ان کی مخالف سمت کو جاتا ہے۔(۳۰)

امام صاحبؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فاذا لم یقدر الشیطان ان یحضر مع عمرؓ فی فج واحد، فکیف یقدر علی ان یحضر مع جبریلؑ فی موقف تبلیغ وحی اللہ تعالیٰ۔(۳۱)

جب شیطان اس پر قادر نہیں کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ہی سمت میں رہ ہو سکتا ہو تو وہ وحی الٰہی کی تبلیغ کے مقام پر جبریلؑ کے ساتھ کیونکر رہ سکے گا۔

وحی کے متعلق علما اور عرفا کے مابین جو اختلاف اوپر ظاہر کیا گیا ہے، اس میں تطبیق کی راہ اختیار کرنے کی سعی بھی کی جاتی رہی ہے۔ علما کا مزاج فقہی حکم سے مناسبت رکھتا ہے اور عرفا کا مزاج حکم سے زیادہ اہمیت صاحب حکم کو دیتا ہے۔ ایسے علما جن کا طبعی رجحان تصوف کی جانب تھا انھوں نے کوشش کی کہ ایک ایسی راہ اختیار کی جائے جو ان دونوں ضرورتوں پورا کر سکے۔ یعنی وحی کا مدلول غیر نبی کیلئے ممکن بھی رہے اور ختم نبوت کے عقیدے پر کوئی حرف بھی نہ آئے۔ مسلمانوں میں "وحی" کے نزول یا امکان وقوع کی نفی کا داعیہ انتہائی حساس رہا ہے۔ ختم نبوت پر کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے ملت اسلامیہ میں کسی کے اعلان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبوت کی سزا قتل رکھی گئی ہے، جب کہ کسی کے اس دعوی پر کہ وہ خدا ہے کوئی سزا نہیں دی جاتی۔

آخر میں ہم شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) کے موقف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے ایک کتابچے "سطعات" کے سطعہ ۷ میں کہتے ہیں کہ: یکے از صفات الہیہ تعلیم عبد است، آن را انواع بسیار است۔ ان انواع کو بیان کرتے ہوئے پہلی نوع "الہامات جبلیہ" بتائی ہے، اس کی مثال میں قرآن مجید کی آیت "و اوحی ربک الی النحل" نقل کی، دوسری نوع "القاء فی الروع" اس کی مثال "و اوحینا الی ام موسی ان ارضعیہ" دی ہے، تیسری نوع "مسامرات" اس کی وضاحت یہ بتائی گئی ہے کہ "خیالی کہ در قلب سالک در بعض مقام سلوک پیدا شود آن را مسامرہ می گویند" چوتھی نوع "فراست" ہے۔ اس کی وضاحت میں بتایا "آن منقدح است بواسطہ وھم میان رویت شے وبعض جسمانیات ثابت در خارج برائے وے شبیہ بہ انقداح خوف در دل بہ از میان دیدن سبع و ہیبت" اور پانچویں نوع "رویا" ہے۔ کی تین صورتیں بتائی ہیں یعنی الہام بحث فی الروع اور اضغاث احلام۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ الہی تعلیم کی سب سے اعلیٰ قسم "وحی" ہے۔ یہاں پر وہ "وحی انبیا اور الہامات اولیا" میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "وحی ابعد است از اشتباہ با اضغاث احلام وابعد است از خطا در تعبیر وغلط در فہم مراد...... بایں جہت وحی انبیا سبب علم قطعی آمد خواہ بطریق فراست باشد یا رویا یا القاء فی الروع، نہ الہام اولیا و رویا و ہاتف ایشان، ایں جا غلطہ نکنی وسامرات اولیا را بمنزلہ وحی ندانی کہ اکثر ضلال اہل زمان از ایں غلط ناشی شدہ" (۳۲)

ماحصل

فکر اسلامی کی تاریخ میں "وحی" کا مفہوم اور مدلول متعین ہو چکا ہے۔ اس لفظ کی لغوی دلالت میں اور مذہبی اصطلاح میں بہت بڑا اور واضح فرق ہے، اس کا لحاظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ یہ فقط "نبی" کی ذات ہوتی ہے جس کے الوہی ذریعہ ادراک کو "وحی" کہا جائے گا اور غیر نبی کے غیر معمولی ذرائع فہم و ادراک کو "وحی" سے تعبیر کرنا انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ چاہے غیر نبی کا پختہ ایقان ہی کیوں نہ ہو کہ اس پر اللہ کی طرف سے "علم" عطا ہوا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، لبنان، مادہ "وحی"
۲۔ القرآن المجید، اردو ترجمہ: امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۳۰۴
۳۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، لبنان، مادہ "وحی"
۴۔ ایضاً
۵۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، الفتوحات المکیہ، دار صادر، بیروت، لبنان، ص ۲/۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ الصحیح للبخاری، کتاب الحج، باب ۱۷، ۱۵۳۶
۷۔ کتب احادیث میں نزول وحی کی تین کیفیات مذکور ہیں
۸۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، الفتوحات المکیہ، ص ۳، ۳۹۳/۳
۹۔ ابن منظور انصاری، لسان العرب، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، لبنان، مادہ "وحی"
۱۰۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی، الفتوحات المکیہ، ص ۴، ۷۸/۴
۱۱۔ ایضاً، ص ۴/۷۸
۱۲۔ ایضاً، ص ۴/۷۸
۱۳۔ ایضاً، ص ۴/۵۸
۱۴۔ ایضاً، ص ۴/۷۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۴/۳۸۹
۱۶۔ ایضاً، ص ۴/۳۸۸
۱۷۔ ایضاً، ص ۴/۴۶۱
۱۸۔ ایضاً، ص ۳/۴۷
۱۹۔ حوالہ نمبر ۱۲ کی طرف رجوع کریں
۲۰۔ ابن العربی، الفتوحات المکیہ، ص ۴/۷۸
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ایضاً، ص ۳/۲۸
۲۴۔ ابن العربی، الفتوحات المکیہ، ص ۴/۷۸
۲۵۔ علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم نذیر نیازی، بزم اقبال لاہور ۲۰۰۰، ص ۴-۱۹۳
۲۶۔ امام فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی بیروت، ن د، ص ۶۱۱
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ ایضاً، ص ۶۱۳
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ایضاً، ص ۶۱۴
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ شاہ ولی اللہ، سطعات، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۶۴، ص ۴۶

© rasailojaraid.com